دارالافتاء

اہلِ علم واہلِ فتوی کے غور وفکر کے لیے ایک مسئلہ

موجودہ دَور میں حرام کی جتنی کثرت اور اس کا جتنا شیوع ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ ان حالات میں دکاندار، اجیر اور مجیر کے لیے بڑا مسئلہ بنتا ہے کہ وہ کس کس کو انکار کرے اور نہ ہی انکار کرنے کی عام طور سے جرأت ہے؟ اس مسئلہ کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے۔ وہ اہلِ علم واہل فتوٰی کی خدمت میں پیش ہے کہ وہ غور فرمالیں۔ جن حضرات کو اتفاق نہ ہو وہ مدلّل جواب تحریر فرمائیں یہ اُن کا احسان ہوگا اور ان کی اجازت سے اس کو انوارِ مدینہ میں شائع بھی کر دیا جائے گا۔ وفوق کل ذِیْ علمٍ علیمٌ

بسم اللہ حامدا ومصلیا

آج کل کے دَور میں حرام کی جتنی کثرت ہے اس کا احصار مشکل ہوگیا ہے۔ سود اور رشوت تو عام چیزیں ہیں۔ بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کی کتنی بہتات ہے اور ان سے سودی معاملات کرنے والے بے حدو حساب ہیں۔ انعامی بانڈوں کے نام سے سود اور جوئے کا ایک بڑا بازار گرم ہے۔ بیمہ والے اپنے جال پھینکے ہوتے ہیں۔ پھر ان بینکوں اور بیمہ کمپنیوں میں کام کرنے والے بھی لاکھوں میں ہیں۔ آڈیو وڈیو کی دکانیں جگہ جگہ کھلی ہوئی ہیں۔ فن کے نام پر فحاشی و بے حیائی کے طریقوں سے کتنی کچھ کمائی ہو رہی ہے۔ تصویر کا کاروبار تو گویا اب حرام ہی نہیں رہا معاذ اللہ سناروں کے سودی معاملات بھی کچھ کم نہیں۔ کھیل اور تفریح کے نام پر آمدنی کے بہت سے ناجائز ذرائع وجود میں آگئے ہیں۔ پھر دھوکہ فریب اور جعلی مال اور ملاوٹ جیسی قباحتیں بھی بے حساب پھیلی ہوئی ہیں۔ غرض حرام آمدنی کی آج کے دَور میں بہت ہی زیادہ کثرت ہے۔ پھر حرام کو جرأت بھی اتنی حاصل ہوگئی ہے کہ جادُو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

ایسے میں جب لوگ حرام کمائی لے کر بازار میں نکلتے ہیں اور اپنی ضروریات کو خواہ وہ اعیان ہوں یا منافع ہوں۔ حرام پیسوں کے عوض میں حاصل کرنا چاہیں تو دکاندار ہو یا مجیر و اجیر ہوں وہ کیا کریں؟ کیا وہ حرام پیسے لے کر حرام پیسے والے کی ضرورت کو پورا کر دیں یا انکار کر دیں اور اگر انکار کرنے کی جرأت نہ ہو تو کیا کریں؟ اور یہ سوال بھی اس وقت ہیں جب معلوم ہو کہ پیسے والے کے پاس حرام کی کمائی ہے اور اگر علم نہ ہو تو کیا حرام پیسے لینے کے اثرات بھی نہ پڑیں گے

یہ اس دور کے کثیر الوقوع سوالات ہیں ان سوالات کے بارے میں جو فتاوٰی ہمیں ملتے ہیں وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جن کی آمدنی بالکل حرام خالص ہے جیسے کسبی یا مے فروش یا سود خور وغیرہم ان کی نوکری ناجائز ہے اور جو تنخواہ اس سے ملتی ہو وہ حلال نہیں اور اسی طرح اپنی چیز اُس کے ہاتھ فروخت کر کے اسی مال حرام سے قیمت لینا بھی حلال نہیں ... الخ" (امداد الفتاوی ص ۳۷۷/۳)

۲۔ ... اور اُجرت لینا مال حرام سے حرام ہے۔ البتہ اگر وہ قرض لے کر دے دے اور اس کو (یعنی اجیر کو) یقین ہو جائے تو درست ہے۔ (امداد الفتاوی ص ۳۷۸/۳)

۳۔ "طوائف کے یہاں پانی بھرنا، اس کے کپڑے سینا یا دھونا یا اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا تو جائز ہے مگر ان چیزوں کے عوض میں طوائف جو پیسہ دیتی ہے وہ چونکہ حرام کی کمائی کا ہوتا ہے اس لیے وہ لینا مکروہ ہے۔ اگر طوائف کسی سے قرض لے کر دے دے تو وہ رقم لینی مباح ہے۔"

(کفایت المفتی ص ۳۳۸/۷)

۴۔ "رنڈی کو اپنی اشیاء مثلاً کپڑا، دودھ مٹھائی وغیرہ فروخت کرنا جائز نہیں جبکہ اس کی کمائی حرام کی ہو۔ ناقابلِ تحمل فتنہ کا خطرہ ہو تو اس سے قیمت لے کر صدقہ کر دی جائے۔"

احسن الفتاوی ص ۵۲۸/۷ (سوال کو جواب میں ضم کیا ہے)

ہمیں ان فتاوٰی کی حقانیت میں کوئی تردد نہیں ہے لیکن اب جبکہ حرام کی بہت زیادہ کثرت ہو گئی ہے اور حرام کو بہت جرأت بھی حاصل ہو گئی ہے تو کوئی کہاں تک قیمت کو صدقہ کرے گا اور کیونکر انکار کی جرأت کرے گا۔ ایک بینک کا ملازم مثلاً کسی پھل والے کی دکان پر جا کر یہ کہتا ہے کہ مجھے یہ پھل دے دو یا ایک پولیس افسر اپنی حیثیت سے بڑھ کر کوئی چیز خریدتا ہے۔ مثلاً کار خریدتا ہے اور معلوم بھی ہے کہ

وہ کھل کر رشوت لیتا ہے تو کیا دُکاندار اُن کو انکار کی جرأت کر سکتے ہیں اور کیا وہ کار فروخت کرنے والا کیا پوری رقم کو صدقہ کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔

پھر موجودہ حالات میں کیا ہو؟ اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے، لیکن بنام خدا جو سمجھ میں آیا تحریر کرتا ہوں اگر درست و صواب ہے تو فمن اللہ اور اگر غلط ہے تو فمنی و من الشیطان۔ اہلِ علم و اہلِ فتویٰ کی رائے کا متمنی ہوں خواہ موافق ہو یا مخالف۔

حرام مال سے خریدی ہوئی شے مشتری کیلئے حلال و مباح ہے

رد المحتار میں یہ ضابطہ درج ہے

"توضیح المسئلة ما فی التتارخانیة حیث قال رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة اوجه اما[1] ان دفع تلك الدراهم الی البائع اولا ثم اشتری منه بها او[2] اشتری قبل الدفع بها و دفعها او[3] اشتری قبل الدفع بها و دفع غیرها او[4] اشتری مطلقا و دفع تلك الدراهم او[5] اشتری بدراهم اخرو دفع تلك الدراهم... وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لا یطیب و فی الثلاث الاخیرة یطیب۔ وقال ابوبکر لا یطیب فی الکل لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اھ وفی الولوالجیة وقال بعضهم لا یطیب فی الوجوه کلها وهوالمختار لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرة الحرام اھ وعلی هذا مشی المصنف فی کتاب الغصب تبعا للدرر وغیرها"

(رد المحتار ص۲۴۴/۴، باب المتفرقات مطبوعہ کوئٹہ)

اس ضابطہ سے معلوم ہوا کہ آخری تین طریقوں سے خریدی ہوئی شے حلال ہے۔ اور آج کل عام طور سے عقد مطلق کیا جاتا ہے۔

مزید حوالجات جن سے اس ضابطہ کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اعلم اذا اشتری رجل من الثمن الذی کان حصل له من بیع فاسدٍ أو وجهٍ حرامٍ فلا یخلومن ان یشتری شیئا و یعطی الثمن من

هذا المال فلا يكون المبيع حراما لان الثمن عند العقد كان فى ذمة المشترى والذمة لا يتمكن فيها الخبث والمال الذى دفعه دفعه لفراغ الذمة لا مقابلة له بالمبيع لان من المحال ان يكون لمبدل بدلان اعنى يكون للمبيع بدل على ذمة المشترى و بدل فى عين مال

(حاشیہ شرح وقایہ اخیرین ص۵۲)

۱- اما اذا اشار الى المال الخبيث واديت الثمن منها ايضا فتمكن الخبث فى المبيع البتة لاجتماع الاشارة والفعل جميعا ولم يبق لشبهة عدم التعيين مساغ (ایضا)

۲- هكذا قال الكرخى لان الاشارة اذا كانت لا تفيد التعيين لا بد ان يتاكد بالنقد ليتحقق الخبث (ایضا)

۳- اقول رأيت فى الطورى عن المحيط ولو اشترى بالدراهم المغصوبة طعاما حل التناول... وفى الطورى ايضا ولو اشترى بالثوب المغصوب جارية يحرم عليه وطؤها حتى يدفع قيمة الثوب الى صاحبه ولو اشتراها بالدراهم يحل وطؤها لفساده باستحقاق الثوب لتعلق البيع بعينه دون الدراهم... وفى الملتقى وشرحه ولو اشترى بالف الغصب أو الوديعة جارية تعدل الفين فوهبها او طعاما فاكله أو تزوج باحدهما امرأة أوسرية أو ثوبا حل الانتفاع ولا يتصدق بشئ اتفاقا لان الحرمة عند اتحاد الجنس۔ (رد المحتار کتاب الغصب)

ان حوالجات سے یہ بات صراحت سے معلوم ہوئی کہ حرام رقم سے جو شے خریدی جائے وہ خریدنے والے کے لیے جائز اور اس کا استعمال حلال ہے۔

ہماری بات پر اعتراض

ردالمحتار میں ولوالجیہ سے نقل کیا ہے۔

وقال بعضهم لا يطيب فى الوجوه كلها وهو المختار (کتاب البیوع باب المتفرقات)

پھر رد المحتار ہی میں ہے۔

و نقل عن الحموی عن صدر الاسلام ان الصحیح لا یحل الاکل ولا الوطء لان فی السبب نوع خبث اھ (ص ۱۳۴ رد المحتار مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح رد المحتار میں ہے۔

ومع ھذا لم یرتضہ الشارح فانی بقیل لما فی الھدایۃ قال مشایخنا لا یطیب قبل ان یضمن وکذا بعد الضمان بکل حال و ھو المختار لاطلاق الجواب فی الجامعین والمضاربۃ ای کتاب المضاربۃ من المبسوط

(ص ۱۳۳ رد المحتار مطبوعہ کوئٹہ)

اعتراض یہ ہوا کہ امام کرخی رحمہ اللہ کا جو قول تم نے اختیار کیا ہے وہ اوّل تو مختلف فیہ ہے۔ پھر جو مختار قول ہے وہ اس کے خلاف ہے

اعتراض کا جواب

ہمیں اس سے اختلاف نہیں ہے کہ حرمت کا قول ہی دلائل کے اعتبار سے اور عام حالت میں قول مختار ہے۔ لیکن اب جبکہ حرام کی بڑی کثرت ہے تو قول مختار کو لینے میں بڑا حرج ہے جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا۔ اور یہ حرج ہی کی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے سے بہت پہلے جبکہ گمان غالب تو یہ ہے کہ حرام کی اتنی کثرت نہیں ہوگی جتنی کہ آج پائی جارہی ہے۔ امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو فتوٰی کے لیے اختیار کیا گیا جیسا کہ

تتارخانیہ سے رد المحتار میں نقل کیا لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس،

اور ولوالجیہ سے رد المحتار میں نقل کیا لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرۃ الحرام اور نتائج الافکار میں ہے۔ قال فی الذخیرۃ قال مشائخنا الفتوی الیوم علی قول الکرخی لکثرۃ الحرام دفعا للحرج عن الناس وعلی ھذا تقرر ا ای صدر الشریعۃ وشمس الائمۃ السرخسی

ے امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے برخلاف دوسرے قول کو جن حضرات نے مختار کہا تو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ابھی اس درجہ حرام کی کثرت نہیں ہوئی ہوگی کہ ظاہر روایت کے قول کو ترک کیا جائے۔

علاوہ ازیں رد المحتار میں ہے۔ (قولہ قیل و بہ یفتی) قالہ فی الذخیرۃ وغیرھا کما فی القہستانی ومشی علیہ فی الغرر و مختصر الوقایہ والاصلاح و نقلہ فی الیعقوبیۃ عن المحیط۔

اور بعض صورت میں تو شمس الائمہ الحلوانی رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں۔ قال الحلوانی انما یطیب اذا نوی ان لا ینقد منہا ثم بدالہ فنقد۔ (ص ۱۳۳/۵ رد المحتار مطبوعہ کوئٹہ)

صاحب تنویر الابصار کے بارے میں رد المحتار میں ہے۔ وعلی ھذا مشی المصنف فی کتاب الغصب تبعًا للدرر وغیرھا (ص ۲۴۴/۴ رد المحتار)

غرض بڑے بڑے اصحاب نے امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تو یہاں تک لکھتے ہیں لکن لا یخفی انھما قولان مصححان (ص ۱۳۳/۵ رد المحتار)

اور صاحب درمختار لکھتے ہیں۔ ھذا کلہ علی قولھما وعند ابی یوسف لا یتصدق بشئ منہ کما لو اختلف الجنس اور اس کے تحت علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ قال الزیلعی وھذا الاختلاف بینھم فیما اذا صار بالتقلب من جنس ما ضمن بان ضمن دراھم مثلًا وصار فی یدہ من بدل المضمون دراھم ولو طعام أو عروض لا یجب علیہ التصدق بالاجماع لان الربح انما عند اتحاد الجنس ومالم یصر بالتقلب من جنس ما ضمن لا یظھر الربح اھ (ص ۱۳۳/۵ رد المحتار)

تنبیہ: ہمارا قول حرام مال سے خریدی ہوئی شے مشتری کے لیے حلال و مباح ہے" اس میں مشتری کے لیے کے الفاظ قید احترازی نہیں ہیں بلکہ اتفاقی ہیں اور اس وجہ سے شامل کیے گئے ہیں کہ فقہی عبارتوں میں یونہی ذکر ہے۔

وہ بائع جس نے حرام مال کے عوض اپنی شے فروخت کی اس کے حق میں اس مال کی حیثیت

بائع کے حق میں اس مال کی حیثیت کے بارے میں ہمیں کوئی تصریح نہیں ملی، لیکن غور کرنے سے اس میں دو احتمالات نکلتے ہیں۔

پہلا احتمال: جیسے مشتری کے لیے یہ رقم حرام تھی۔ ایسے ہی قیمت کے طور پر لینے کے بعد

بائع کے حق میں بھی وہ رقم حرام ہو، لیکن جیسے مشتری کے لیے اس سے خرید کردہ شے حلال ہوتی اسی طرح بائع کے لیے بھی اس رقم سے اس کی اپنی خرید کردہ شے حلال ہو، اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے۔

اس احتمال پر اگرچہ بائع کے لیے حرام مال کو جانتے بوجھتے لینا جائز نہیں لیکن ضرورت کی بناء پر عدمِ جواز مرتفع ہو جاتے اگر یہ بات بھی ہو تو اس سے بھی ہمارا مقصود پورا ہوتا ہے، لیکن اس احتمال کے مقابلے میں دوسرا احتمال راجح ہے

دوسرا احتمال: بائع کے حق میں وہ رقم حلال ہو۔

پہلی دلیل: درمختار میں ہے۔

"فان مات احدهما رای بعد البیع الفاسد) فالمشتری احق بالثمن من سائر الغرماء بل قبل تجهیزه فله حق حبسه حتّٰی یاخذ ماله فیاخذ المشتری دراهم الثمن بعینها لو قائمة و مثلها لو هالکة بناء علی تعیین الدراهم فی البیع الفاسد وهو الاصح (علی هامش رد المحتار ص ۱۴۴ مطبوعہ کوئٹہ)

و فی رد المحتار: وتتعین فی الامانات والهبة و فی الصدقة والشرکة والمضاربة والغصب وفی الهدایة: ولیس للبائع فی البیع الفاسد ان یاخذ المبیع حتی یرد الثمن لان المبیع مقابل... وان مات البائع فالمشتری احق به حتی یستو فی الثمن لانه یقدم علیه فی حیاته وکذا علی ورثته وغرمائه بعد وفاته کالراهن - ثم ان کانت دراهم الثمن قائمة یاخذ بعینها لانها تتعین فی البیع الفاسد و هو الاصح لانه بمنزلة الغصب وان کانت مستهلکة اخذ مثلها لما سنا

ان کے ساتھ بہشتی زیور کا یہ اقتباس بھی ملا لیجیے۔

"بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ جب تک خریدنے والی کے قبضے میں نہ آجاوے تب تک وہ خریدی ہوئی چیز اس کی ملک میں نہیں آتی اور جب قبضہ کر لیا تو ملک میں تو آگئی، لیکن حلال طیب نہیں ہے اس لیے اس کو کھانا پینا یا کسی اور طرح سے اپنے کام میں لانا درست نہیں، بلکہ ایسی بیع کا توڑ دینا واجب ہے۔ لینا ہو تو پھر سے بیع کریں اور مول لیویں۔ اگر یہ بیع نہیں توڑی بلکہ کسی اور کے ہاتھ وہ چیز بیچ ڈالی تو گناہ ہوا، اور اس دوسری خریدنے والی کے لیے اس کا کھانا پینا اور استعمال کرنا جائز ہے... الخ"

دیکھیے باوجودیکہ دراہم متعیّن تھے اور واجب الرّد تھے کیونکہ بیع فاسد کا فسخ واجب ہے، لیکن جب بائع ان کو خرچ کر چکا ہو تو بائع کے ذمّے ان کے مثل واجب ہوتے ہیں۔ بائع کے ذمّے مثل واجب ہو۔ بائع مثل ادا کر دے تو کیا وہ متعین دراہم ہو وہ آگے اپنے بائع کو دے چکا ہے۔ پھر بھی واجب الرّد اور حرام رہیں گے؟ یہ ممکن نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ بیع فاسد میں دراہم پر قبضہ کرنے سے ملکیت آجاتی ہے جبکہ کسب حرام میں ملکیت نہیں آتی تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دونوں میں اس حد تک اشتراک کہ دونوں صورتوں میں مقبوضہ دراہم واجب الرد ہوتے ہیں اور ہلاکت واستہلاک کے وقت ان کے مثل کا ضمان واجب ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کو پورا کرتا ہے، جبکہ ملکیت کا ثبوت وعدم ثبوت اس مسئلے میں کچھ مؤثر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرح وقایہ اخیرین کے حاشیہ میں ہے۔

اعلم اذا اشتری رجل من الثمن الذی کان حصل له من بیع فاسد او وجه حرام فلا یخلو... الخ

حاصل یہ ہوا کہ مکتسبِ حرام پر واجب تھا کہ وہ بعینہٖ وہی حرام آمدنی اصل مالک کو واپس کرے یا مالک کو رد کرنے کے متعذر ہونے کی صورت میں فقراء پر صدقہ کرے لیکن جب اس نے اس رقم کو اشیاء خرید کر ہلاک کر دیا تو اس کے ذمّے اس رقم کی مثل کا ضمان آگیا۔ اس کے ذمّے مثل کا ضمان بھی ہو اور اس کے بائع کے ذمّے وہ رقم واجب الرد یا واجب التصدق بھی ہو یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں لہٰذا مکتسبِ حرام کے ذمّے تو مثل کا ضمان واجب ہوگا اور اس کے بائع کے پاس حاصل شدہ رقم حلال ہو جائے گی۔

دوسری دلیل

درمختار میں ہے۔

انما طاب للبائع ما ربح فی الثمن ..... لان الثمن فی العقد الثانی غیر متعین ولا یضر تعیینه فی الاوّل کما افاده السعدی لا یطیب للمشتری ما ربح فی مبیع یتعین بالتعیین بان باعه بازید لتعلق العقد بعینه فتمکن الخبث۔

اور رد المحتار میں ہے "والفرق بین طیب الربح للبائع لا للمشتری وهو ان ما

یتعین بالتعیین یتعلق العقد به فتمکن الخبث فیه والنقد لایتعین فی عقود المعاوضة فلم یتعلق العقد الثانی بعینه فلم یتمکن الخبث فلا یجب التصدق کما فی الهدایة وانما لم یتعین النقد لان ثمن المبیع یثبت فی الذمة بخلاف نفس المبیع لان العقد یتعلق (ص۱۴۵ ج۴ ردالمحتار)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جس کے ذمّے دراہم واجب الرد تھے۔ اُس نے جب بلا تعیین اُن کا استہلاک کیا یعنی مثلاً عقد مطلق کے ساتھ کوئی شے خرید کر وہ دراہم قیمت میں ادا کر دیے تو اس کے ذمّے ضمان آگیا۔

تیسری دلیل

امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو فتوی کے لیے اختیار کرنے والوں نے ایسا لوگوں سے دفع حرج کے لیے کیا مکتسبِ حرام کیلیے خریدنا اور خریدی ہوئی شے سے انتفاع صرف اسی وقت ممکن ہے جب اس کے بائع کے لیے حاصل ہونے والی قیمت حلال ہو۔ اگر وہ قیمت اس کے لیے حرام ٹھہرتی ہو تو وہ آخر اپنی شے مکتسبِ حرام کے ہاتھ کیوں فروخت کریگا اور اگر فروخت کر بیٹھے گا تو اس کے فسخ کے درپے ہوگا۔ تاکہ حرام رقم سے خلاصی حاصل کرے اور اپنی شے کا نقصان بھی نہ ہو۔ اس صورت میں یہ فتوٰی[1] غیر مفید اور لاحاصل ہوگا جو کہ قبیح ہے۔

---

[1] بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام کرخی رحمہ اللہ کے قول پر مشتری کے لیے تو جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن بائع کے لیے جب کہ اس کو معلوم ہو کہ ثمن مال خبیث یا مال مغصوب و مسروق ہے ـــــ اس کا طیب ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ بائع کے لیے ایسے ثمن کے طیب نہ ہونے کے باوجود امام کرخی رحمہ اللہ کے فتوی کی افادیت باقی رہتی ہے کیونکہ مشتری کے ذمّہ یہ واجب نہیں۔ (بلکہ عادتاً یہ بتایا بھی نہیں جاتا) کہ اس نے یہ ثمن کہاں سے حاصل کیا ہے۔ جب مشتری پر یہ بتانا ضروری نہیں تو بائع کے لیے عدم علم کی وجہ سے ایسے ثمن کی وصولی کی گنجائش پیدا ہوگئی اور مشتری کے لیے تو امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک فی الجملہ پہلے ہی وسعت تھی تو اس فتوی کی افادیت باقی رہی۔

ان حضرات کی بات کا جواب یہ ہے کہ ان کی بات کے مطابق امام کرخی رحمہ اللہ کے قول پر مشتری کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اس نے بائع کو لاعلم رکھ کر اپنے لیے مبیع کو حلال و پاکیزہ بنا لیا اور بائع کو لاعلمی کی وجہ سے ثمن خبیث کو لینے کی گنجائش ہوئی، البتہ علم ہوتے ہوئے بائع کو ثمن خبیث لینا جائز نہیں ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ثمن خبیث میں حلت و حرمت کی علت علم و عدم علم نہیں ہے بلکہ اس ثمن کا خبیث ہونا ہے اور وہ خبث دونوں حالتوں (یعنی علم و عدم علم) میں موجود ہے۔ عدم علم تو محض معذوری ہے۔ علم کے ہوتے ہوئے خبث کی وجہ سے بائع کے لیے اس ثمن کو لینا جائز نہیں ہے تو مشتری کے لیے کس دلیل سے جائز ہوگا کہ وہ بائع کو لاعلم رکھ کر خبیث و حرام مال اس کو دے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ کسی نے بھی امام کرخی رحمہ اللہ کے فتوی کی بنیاد میں بائع کی لاعلمی کو شامل نہیں کیا اور خود فتوی بھی مطلق ہے۔ بائع کی لاعلمی کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مکتسبِ حرام کے ذمے ہوگا کہ وہ جتنی رقم خرچ کر چکا اس کے بقدر ضمان ادا کرے یعنی یا تو مالک کو واپس کرے یا وہ متعذر ہو تو صدقہ کرے اور اس کے بائع کے لیے اس کے ہاتھ اپنی شے فروخت کرنا جائز ہے اور اس کے بائع کے لیے حرام مال میں سے حاصل شدہ قیمت حلال ہے۔

تنبیہات

تنبیہہ نمبر ۱: مذکورہ بالا گزارشات سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ناجائز ذرائع آمدنی کو حلال کہیں۔ وہ تو حرام اور ناجائز ہی ہیں اور ان سے اجتناب اپنی جگہ پہ ضروری ہے اور ان میں ملوّث ہونے کا گناہ مستقل ہے۔

تنبیہہ نمبر ۲: جب خود مکتسبِ حرام کے لیے خرید کردہ شے حلال ہوگی تو دوسروں کے لیے وہ شے فی ذاتہ حلال ہوگی، لیکن لِغیرہٖ دوسروں کے لیے اس سے اجتناب لازم ہوگا، اور وہ یہ کہ اس کسب کی شفاعت دل میں باقی رہے اور مکتسبِ حرام کو تنبیہہ ہو۔

تنبیہہ نمبر ۳: وہ لوگ جن کا کام تو جائز ہو، لیکن اُن کو اُجرت ناجائز آمدنی سے ملتی ہو۔ ان میں دو صُورتیں ہیں۔

۱۔ یا تو ایسا کام ہو جو تعاون علی الاثم کے قبیل سے ہو۔ مثلاً بینک کا چوکیدار ہو۔ اس شخص کی آمدنی اور اس کے ساتھ مخالطت اور کھانے پینے کا وہی حکم ہے جو خود مکتسبِ حرام کے بارے میں بیان ہُوا۔

۲۔ یا ایسا کام ہو کہ اس میں تعاون علی الاثم نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً کسی مزدور یا قلی نے مکتسبِ حرام کا سامان اُٹھایا یا ٹیکسی والے نے اس کو کسی جائز جگہ پہنچایا تو ایسے لوگوں کے لیے وہ آمدنی حلال ہے اور اُن کی خرید کردہ اشیاء سے دوسروں کا انتفاع بھی ممنوع نہیں۔

بقیہ صبر و صلاۃ

ہوتا ہے۔

ارشاد ربّانی ہے "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ"

کسی حال میں بھی تم نا اُمید نہ ہو اللہ کی رحمت سے

اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ حق اور سُنّتِ نبوی پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والا بنائے۔ آمین ثم آمین